بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

دستور کی تدوین کو برسوں ٹالتے رہنے کے جو قبیح نتائج ہمارے ملک میں رونما ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی قضیہ طے نہیں ہوتا اور نئے نئے قضیے اٹھتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ جن امور کو آج تک طے شدہ سمجھا جاتا رہا ہے وہ بھی اب ما بہ النزاع مسائل کی فہرست میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال جداگانہ انتخاب کا مسئلہ ہے جس پر سالہا سال سے مسلمانوں میں قریب قریب کامل اتفاق پایا جاتا تھا، اور کسی کو توقع نہ تھی کہ یہ بھی ہمارے ہاں متنازع فیہ بن جائے گا، مگر اب مشرقی بنگال کی عوامی لیگ اور متحدہ محاذ (باستثنائے نظام اسلام پارٹی) نے یہ مطالبہ کر دیا ہے کہ اس طریق انتخاب کو چھوڑ کر مخلوط طریق انتخاب اختیار کیا جائے۔

یہ صورت حال بڑی افسوسناک ہے۔ لیکن جب کہ ہمیں اس سے سابقہ پیش آ ہی گیا ہے تو مناسب یہی ہے کہ ہم اس پر محض افسوس کر کے نہ رہ جائیں بلکہ اس طرح کے ہر نئے مسئلے کا پوری معقولیت کے ساتھ جائزہ لیں اور دلیل کے ساتھ اس کا صحیح تصفیہ کرانے کی کوشش کریں۔

طریق انتخاب کے معاملے میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم چار پہلوؤں سے اس پر غور کریں:

اوّل یہ کہ برطانوی دور میں جب کہ برعظیم ہند و پاکستان ایک ملک تھا، اور انڈین نیشنل کانگریس وطنی قومیت کے نظریے کی بنیاد پر مخلوط انتخاب کی وکالت کر رہی تھی، مسلمان اس کی مخالفت کیوں کرتے رہے اور آج کیا فرق واقع ہو گیا ہے کہ وہ اسی چیز کو قبول کر لیں جسے کل رد کرتے تھے؟

دوم یہ کہ اصولاً ایک ایسے ملک کے لیے جس کی آبادی مذہب، تہذیب، اور معاشرت کے اعتبار سے

مختلف عناصر پر مشتمل ہو، مخلوط انتخاب صحیح ہے یا جداگانہ انتخاب ؟

سوم یہ کہ اصول صحت و عدم صحت سے قطع نظر، کیا کوئی مصلحت ایسی ہو سکتی ہے جس کی خاطر ایسے ملک میں مخلوط انتخاب مطلوب ہو ؟ اگر ایسی کوئی مصلحت ہے تو وہ کیا ہے اور ہمارے لیے وہ قابل قبول ہے یا نہیں ؟

چہارم یہ کہ عملاً پاکستان میں مخلوط انتخاب کا طریقہ رائج کرنے کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں اور اس کے برعکس جداگانہ انتخاب کے مفید یا مضر پہلو کیا ہیں ؟

ذیل کی سطور میں ہم ان چاروں سوالات پر اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

پہلے سوال کے جواب میں مخلوط انتخاب کے حامی اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف یہ ہے کہ برطانوی دور کے متحدہ ہندوستان میں وطنی قومیت اور مخلوط انتخاب کا نظریہ اس لیے غلط تھا کہ وہاں ہم اقلیت میں تھے اور ہندو اکثریت میں، اور آج پاکستان میں وہ اس لیے صحیح ہے کہ یہاں ہماری اکثریت ہے اور ہندوؤں سمیت تمام غیر مسلم اقلیت میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کم از کم اِن حضرات کے نزدیک صحیح و غلط کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ محض مفاد ہے۔ ایک ہی چیز پہلے غلط تھی کیونکہ وہ مفاد کے خلاف پڑتی تھی، اور وہی چیز اب صحیح ہے کیونکہ وہ مفاد کے مطابق ہے۔ اپنی حد تک خود اپنے ذہن کی یہ ترجمانی وہ کرنا چاہیں تو بخوشی کر سکتے ہیں۔ مگر کیا ساری مسلمان قوم کا ذہن تقسیم سے پہلے اسی طرح کام کر رہا تھا کہ اب حالات بدلتے ہی وہ اُس چیز کو حق سمجھنے لگے جسے اُس وقت باطل سمجھتی تھی ؟ ہمیں یقین ہے کہ مسلمان من حیث القوم یہ ذہنیت نہ اُس وقت رکھتے تھے نہ آج رکھتے ہیں۔ اُس وقت انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے نظریے کو صرف اس لیے رد نہیں کیا تھا کہ مجموعی ہندوستان میں قلیل التعداد ہونے کی وجہ سے وہ اسے اپنے مفاد کے خلاف پاتے تھے، بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ "ملت از وطن است" کا تخیل اُن کے لیے سراسر ایک اجنبی تخیل تھا جس کی کوئی گنجائش نہ ان کے اعتقادات میں تھی نہ ان کے فلسفۂ تمدن و اجتماع میں اور نہ ان کی روایات میں۔ خود اسی برعظیم میں لاکھوں

کروڑوں آدمی ہندو سے مسلمان ہوئے اور اسلام قبول کرتے ہی ان کا معاشرہ ہندو معاشرے سے جدا ہوگیا حالانکہ نسل ایک تھی، زبان ایک تھی، اور رہن سہن ایک ہی سرزمین پر تھا۔ اس کے برعکس لاکھوں مسلمان دنیا کے مختلف خطوں سے آکر اس برعظیم میں آباد ہوئے اور مقامی مسلم معاشرے میں اس طرح گھل مل گئے کہ کوئی اجنبیت کا پردہ ان کے درمیان حائل نہ رہ سکا۔ یہ نتیجہ تھا ملت اور قومیت کے اُس نظریے کا جو اسلام نے مسلمانوں میں پیدا کیا تھا، اور اُن روایات کا جو اس نظریے کے تحت صدیوں سے ان میں پرورش پا رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب انگریزی دَور میں جدید جمہوری نظام کی آمد آمد ہوئی تو مسلمانوں نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا، انڈین نیشنل کانگریس کے نظریۂ قومیت کو رد کیا، مخلوط انتخاب کی اُس تجویز کو ٹھکرا دیا جو وطنیت کی بنیاد پر قومی وحدت قائم کرنے کے لیے پیش کی جاتی تھی، اور بالآخر وہ تقسیم ملک کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، حالانکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ تقسیم سخت کشت و خون اور بے اندازہ نقصانات کے بغیر نہ ہوسکے گی۔ اب تقسیم ہوجانے کے بعد اگر کوئی فرق واقع ہوا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ برعظیم کے وہ حصے ایک الگ ملک بن گئے ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں تھے۔ اس سے قومیت کی بنیادیں تو نہیں بدلیں روایات اور نظریات میں تو کوئی تغیر نہیں آگیا۔ اب مسلمانوں کا قومی ذہن یکایک وطنی قومیت کے اُس تخیل کو کیسے قبول کرسکتا ہے جو اُس کے لیے آٹھ نو سال پہلے تک اس قدر اجنبی تھا؟

اس کے بعد دوسرے سوال کو لیجیے۔ اصولی حیثیت سے مشترک یا مخلوط انتخاب صرف اسی جگہ صحیح ہوسکتا ہے جہاں کی آبادی میں فروعی اختلافات چاہے کتنے ہی ہوں مگر بنیادی اختلافات موجود نہ ہوں۔ مذہبی عقائد، اخلاقی اقدار، اصول تہذیب اور نظریاتِ زندگی کا اختلاف بہرحال ایک بنیادی اختلاف ہے، اور جس آبادی کے عناصر ترکیبی میں یہ اختلاف اس حد تک پہنچا ہوا ہو کہ ان کے معاشرتی دائرے عملاً بالکل الگ ہوگئے ہوں، ان کے درمیان اپنی جداگانہ قومیت کا احساس لازماً پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسی آبادی کو ایک حلقۂ انتخاب بنا دینا کسی طرح اصولاً صحیح نہیں ہوسکتا۔ ایسا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس جگہ وحدت فرض کر رہے ہیں جہاں درحقیقت وحدت موجود نہیں ہے۔ اس زبردستی کے مفروضے سے فی الواقع کوئی وحدت

پیدا نہ ہوگی بلکہ اختلاف و بیگانگی کے اسباب بدستور اپنا کام کرتے رہیں گے۔ ہر عنصر کے لوگوں کا عام رجحان فطرتاً اسی شخص کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کی طرف ہوگا جو اُن کا ہم جنس ہو۔ کثیر التعداد عنصر مطمئن ہوگا کیونکہ وہ حلقے کا نمائندہ اپنے ہی ہم جنس کو بنا سکے گا۔ قلیل التعداد عناصر اگر کمزور ہوں گے تو وہ نمائندگی سے بالکل ہی محروم رہ جائیں گے اور یہ صورت حال انہیں ہمیشہ غیر مطمئن اور بددل رکھے گی۔ اور اگر وہ با اثر ہوں گے، تو کثیر التعداد عنصر کے لوگوں سے سودے بازی شروع کر دیں گے اور یہ چیز دونوں ہی میں بدترین رجحانات اور تلخ کشمکشوں کو جنم دے گی۔ اس سے ایک نہایت بد اخلاق گروہ ابھر کر اوپر آجائے گا جو کسی کا بھی صحیح نمائندہ نہ ہوگا۔ اس سے جمہوریت کی اصل روح ہی مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ یہ غلط طریقہ اختیار کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ جو اختلاف فی الواقع موجود ہے اس کو تسلیم کیا جائے اور ہر عنصر کو جداگانہ نمائندگی اور جداگانہ انتخاب کا حق دیا جائے تاکہ ہر ایک ٹھیک ٹھیک اپنی مرضی کے مطابق اپنا ترجمان منتخب کر سکے؟ یہ زیادہ فطری، زیادہ معقول اور زیادہ منصفانہ طریقہ ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں اگر کسی مصلحت کی نشان دہی کی جا سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ مخلوط انتخاب کا طریقہ رائج کرنے سے مختلف عناصر آبادی کے احساسِ اختلاف کو دبانا، ان کے امتیازی نشانات کو مٹانا، اور انہیں بتدریج ایک قومیت میں تبدیل کرنا مطلوب ہو۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز اوّل تو ہمیں مطلوب ہی نہیں ہے، اور اگر ہے تو اُس طریقے سے مطلوب نہیں ہے جس سے مخلوط انتخاب کے حامی اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں احساسِ اختلاف جس چیز کا نتیجہ ہے وہ دین کا اختلاف ہے۔ اسی چیز نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان خطِ امتیاز کھینچا ہے۔ اسی نے ان کے اصول، مقاصد، نظریات اور طرزِ حیات ایک دوسرے سے جدا کیے ہیں۔ اسی نے ان کے معاشرے الگ کیے ہیں اور ان کو الگ ملتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس اختلاف و امتیاز کے مٹنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ہمارے غیر مسلم ہم وطن مسلم ملّت میں جذب ہو جائیں۔ یہ بلاشبہ ہمیں مطلوب ہے، مگر اس مقصد کو ہم مخلوط انتخاب جیسے سیاسی ہتھکنڈوں سے حاصل کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں کر سکتے۔ کسی شخص کو اسلام کے اصول پسند ہوں تو وہ سیدھے راستے سے آئے

اور ہماری ملت میں شامل ہوجائے۔ ورنہ جس ملت میں بھی رہنا چاہے رہے، ہم اس کے تمام وطنی حقوق پوری فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کریں گے۔ اس معاملے میں کسی قسم کی چالبازیوں سے کام لینا ہمارے لیے حرام ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مخلوط انتخاب کے حامی بھی اس کو حلال تسلیم نہ کریں گے۔ اب رہ جاتی ہے اس اختلاف و امتیاز کے مٹنے کی دوسری صورت اور وہ یہ ہے کہ یہاں سرے سے اسلام اور غیر اسلام کے فرق ہی کو مٹا دیا جائے اور دین کو تہذیب و تمدن سے بے دخل کر کے ایک ایسی مشترک لادینی کلچر کو نشو و نما دیا جائے جو ایک متحدہ وطنی قومیت کی بنیاد بن سکے۔ یہ چیز اگر مطلوب ہو تو اس کے لیے مخلوط انتخاب محض پہلا قدم ہی ہو سکتا ہے اس کے بعد لازمی طور پر دوسرا قدم لادینی دستور مملکت ہونا چاہیے، اور پھر آئندہ اس مملکت کی ساری پالیسی یہ قرار پانی چاہیے کہ وہ عقیدے اور عبادات کے سوا زندگی کے باقی تمام شعبوں سے دین کے ایک ایک نشانِ امتیاز کو محو کردے، حتیٰ کہ مسلم و غیر مسلم کے درمیان شادی بیاہ تک کی ہمت افزائی کرے تاکہ "پاکستانیوں" کے درمیان وہ معاشرتی علیحدگی باقی نہ رہے جو عملاً ان کو الگ الگ ملتوں میں منقسم کرتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں، کیا یہی چیز مخلوط انتخاب کے حامیوں کو مطلوب ہے؟ اگر یہ انہیں مطلوب ہے تو وہ اس کا صاف صاف اقرار و اعلان کریں۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ چند لادینی رجحانات رکھنے والے لوگوں کو مستثنیٰ کر کے پاکستان کا ہر مسلمان اس تخیل پر لعنت بھیجے گا۔ وہ کہے گا کہ اگر مجھے یہی کچھ کرنا ہوتا تو میرے لیے اکھنڈ ہندوستان کیا برا تھا۔ یہ مقصد تو وہاں بھی پورا ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے جان و مال کی اتنی قربانیاں دے کر ایک الگ مملکت قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اب ہم آخری سوال کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عملاً پاکستان میں مخلوط انتخاب رائج کرنے کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان میں ایک کے بجائے کم از کم دو قومیتوں کا نشو و نما شروع ہو جائے گا اور یہ چیز بالآخر پاکستان کی وحدت کے خاتمے پر منتج ہو کر رہے گی۔ ہمیں یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ برعظیم ہند و پاکستان مذہب کی بنیاد پر تقسیم ہوا ہے، اور یہ اسی بنیادِ تقسیم کا کرشمہ ہے کہ اس برعظیم کے دو ایسے خطے پاکستان کے اجزائے ترکیبی قرار پائے ہیں جن کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ ان دونوں خطوں کے

درمیان بنائے وحدت نہ وطن ہے، نہ نسل، نہ زبان اور نہ طرزِ معاشرت۔ صرف ایک چیز نے ان کو جوڑ کر ایک مملکت بنایا ہے اور وہ ہے اکثریت کا مذہب۔ مذہب ہی ابتداءً اس مملکت کا سببِ تخلیق بنا تھا اور اب تنہا وہی اس کے لیے ایک سبب وحدت بنا رہے گا۔ آپ جس روز بھی اس کو ہٹا کر دونوں خطوں کے باشندوں میں کسی اور بنائے اشتراک کا احساس پیدا کریں گے، نسل و زبان اور تمدن کے جاذبے اپنا کام شروع کر دیں گے۔ پھر کوئی چیز بھی مشرقی پاکستان میں بنگالی نیشنلزم اور مغربی پاکستان میں اس کے برعکس ایک دوسرے نیشنلزم کی پیداوار کو نہ روک سکے گی۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ مخلوط اور جداگانہ انتخاب کا سوال محض ایک طریقِ انتخاب کا سوال ہے، نادانی اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ پاکستان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر پاکستان کے دونوں حصوں کو جوڑے رکھنا مقصود ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ دونوں حصوں کے مسلمانوں میں مسلم قومیت کے احساس کو زندہ اور تازہ رکھا جائے اور اسلامی نظامِ زندگی کو عملاً بروئے کار لا کر اس احساس کو تقویت پہنچائی جائے۔ اس مقصد کے لیے جداگانہ انتخاب ناگزیر ہے۔ البتہ اگر اس مملکت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہی مقصود ہے تو اس کی ابتدا کرنے کے لیے مخلوط انتخاب بلاشبہ ایک کارگر تدبیر ہے۔ یہ چیز ہر خطے کے مسلمانوں میں رشتۂ دین کے بجائے رشتۂ وطنیت کی اہمیت کا احساس پیدا کر دے گی اور یہ احساس جتنا بڑھے گا اتنے ہی وہ دوسرے خطے کے اُن مسلمانوں سے دُور ہوتے چلے جائیں گے جن کے ساتھ انہیں ملانے والا کوئی رشتہ ایک رشتۂ دین کے سوا نہیں ہے، اور اپنے خطے کے ان لوگوں سے قریب تر ہوتے جائیں گے جن کے ساتھ انہیں جوڑنے کے لیے دین کے سوا باقی تمام رشتے موجود ہیں۔

مخلوط انتخاب کے حامی اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں جو دلائل دیتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کا بھی ایک مختصر سا جائزہ لے لیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

(۱) جداگانہ انتخاب کا مطالبہ اقلیت کی طرف سے ہونا چاہیے تھا، کیونکہ اسی کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اکثریت اسے نمائندگی سے محروم کر دے گی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ بنگال کی ہندو اقلیت تو مخلوط انتخاب کا مطالبہ کرتی ہے اور مسلمان اکثریت اس کے برعکس جداگانہ انتخاب پر مصر ہے۔ کیا اکثریت میں ہو کر بھی مسلمان ڈرتے ہیں کہ اقلیت ان پر چھا جائے گی؟

(۲) جداگانہ انتخاب نے بنگال اسمبلی میں ۲۷ ہندو ممبروں کا ایک مضبوط بلاک بنا رکھا ہے، اور مسلم اکثریت کے ارکان میں جب پھوٹ پڑتی ہے تو قوت کا توازن ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ کیا تم اس صورتِ حال کو دوامی رکھنا چاہتے ہو؟

(۳) جداگانہ انتخاب مملکت کے باشندوں کو مستقل طور پر الگ الگ قومیتوں میں تقسیم کیے رکھتا ہے، حالانکہ مملکت کی ترقی و استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس کے سارے باشندوں میں ایک قوم ہونے کا احساس پیدا ہو۔

(۴) اگر پاکستان قائم ہونے کے بعد بھی دو قومی نظریے کو باقی رکھا گیا تو کل بنگال کے ہندو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب آپ ہمیں ایک علیحدہ قوم ہی قرار دیتے ہیں تو لائیے ہم کو بھی ایک الگ علاقہ دیجیے۔ کیا آپ اس مطالبے کو مان لیں گے؟ اگر نہیں مانیں گے تو آپ کی اخلاقی پوزیشن کیا ہوگی جب کہ اسی بنیاد پر آپ خود ایک الگ علاقہ لے چکے ہیں؟

پہلی دلیل بظاہر بڑی وزنی ہے، مگر حقیقت میں اس کے دونوں اجزاء غلط ہیں۔ اس کا یہ جز بھی غلط ہے کہ مسلمان اکثریت ہندو اقلیت کے خوف سے جداگانہ انتخاب مانگتی ہے، اور یہ جز بھی صحیح نہیں ہے کہ ہندو اقلیت سراسر مملکت کی بھلائی کی خاطر مخلوط انتخاب کا خطرہ مول لے رہی ہے۔ جداگانہ انتخاب کے لیے مسلمانوں کا اصرار جن وجوہ پر مبنی ہے وہ اوپر ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس میں اقلیت کے خوف کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ رہی بنگال کی ہندو اقلیت، تو اس کے مخلوط انتخاب پر اصرار کرنے کے اصل وجوہ یہ ہیں کہ اوّلاً وہ اس طریقہ سے بنگال میں بنگالی نیشنلزم کو فروغ دینے کی امید رکھتی ہے۔ ثانیاً وہ اس ذریعہ سے پاکستان کو اسلامی مملکت کے بجائے لادینی جمہوریت کے راستے پر ڈالنا چاہتی ہے۔ ثالثاً اس کی خواہش یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہنا اور کروانا چاہتی ہے وہ ہندوؤں کے بجائے مسلمانوں کی زبان سے کہلوائے اور انہی کے ہاتھوں سے کروائے۔ اس غرض کے لیے وہ اس تدبیر پر اعتماد کر رہی ہے کہ مخلوط انتخاب میں جو مسلمان نمائندے ہندو ووٹوں کے بل پر کامیاب ہوں گے وہ ہندو نمائندوں کی بہ نسبت زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ یہ تینوں وجوہ اس مطالبۂ انتخابِ مخلوط کے اصل محرک ہیں اور ہم ان تینوں کو پاکستان کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے ہیں۔

دوسری دلیل میں اس وقت تک کوئی وزن نہیں ہو سکتا جب تک پہلے یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ بنگال میں ہندوؤں کا اتحاد اور مسلمانوں کی پھوٹ ایک دائمی حالت رہے گی۔ کیا ہمارے وہ مسلمان بھائی جو مخلوط انتخاب کی حمایت میں یہ دلیل دیتے ہیں، مہربانی کر کے اس سوال پر کچھ روشنی ڈالیں گے کہ یہ حالت دائماً کیوں قائم رہے گی؟ ــــ تیسری دلیل کا تفصیلی جواب ہم پہلے دے چکے ہیں اس لیے اس سے تعرض کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ رہی آخری دلیل تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بنگال میں کوئی قابلِ لحاظ خطہ ایسا ہوتا جو ہندوؤں کا قومی وطن بن سکتا تو وہ تقسیم کے وقت ہی بھارت میں شامل ہو چکا ہوتا۔ اب خدا کے فضل سے ایسا کوئی خطہ وہاں موجود نہیں ہے کہ ہندو اس کا مطالبہ کرنے کے حق دار ہوں۔ کسی جگہ کسی تھانے اور کہیں کسی تحصیل میں ایک گروہ کے لوگ اگر کسی حد تک اکثریت میں ہوں بھی تو کیا کوئی صاحبِ عقل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ وہاں اس گروہ کے الگ الگ قومی اسٹیٹ بنا دیے جائیں؟